© rasailojaraid.com

ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری

نئی دہلی حیدرآباد

امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ

پیدائش و خاندان:

مولانا عبیداللہ سندھی ۱۰ مارچ ۱۸۷۲ء کو ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں چیانوالی (تحصیل ڈسکہ) میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک ہندو خاندان سے تعلق رکھتے تھے ان کے باپ کا نام رام سنگھ اور دادا کا نام جسپت رائے ولد گلاب رائے تھا۔ ان کے والد رام سنگھ نے سکھ مذہب اختیار کر لیا تھا۔

نام:

مولانا سندھی مرحوم کا خاندانی نام بوٹا سنگھ تھا۔ عبیداللہ نام انھوں نے خود اپنے لیے تجویز کیا تھا پہلے وہ اپنا نام حضرت سلمان فارسی کے تتبع میں عبیداللہ بن اسلام لکھا کرتے تھے لیکن جب بعض عرب دوستوں کے اصرار سے انھیں اپنا نام والدکی طرف منسوب کر کے لکھنا پڑا تو عبیداللہ بن ابی عائشہ لکھا۔ عائشہ" یعنی "ماتر سے" ان کی بڑی بہن کا نام تھا۔ مولانا سندھی لکھتے ہیں کہ "اب اگر کسی نے مزید صراحت کے لیے مجبور کیا تو عبیداللہ بن راما بن رائے لکھوں گا"۔ راما اور رائے ان کے باپ اور دادا کے نام کے اجزا ہیں۔

خاندان کا پیشہ:

خاندان کا اصل پیشہ زرگری تھا لیکن ایک عرصے سے خاندان کے کچھ لوگوں نے سرکاری ملازمت بھی اختیار کر لی تھی اور بعض افراد ساہوکارا بھی کرتے تھے ان کے دادا سکھوں کے عہد حکومت میں اپنے گاؤں کے کاردار تھے۔

باپ اور دادا کا انتقال:

مولانا سندھی مرحوم کی پیدائش سے چار ماہ قبل ان کے والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ دو سال کے تھے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دادا کا سایۂ عاطفت بھی سر سے اٹھ گیا۔ دادا کے انتقال کے بعد ان کے ددھیال میں کوئی ایسی شخصیت امدادی وسیلہ باقی نہ رہا تھا جس کے سہارے وہ اور ان کی بیوہ والدہ زندگی گزار سکیں اس لیے ان کے نانا انھیں اپنے گھر لے گئے۔

ننھیال:

نانا نے اپنی بیوہ بیٹی اور یتیم نواسی اور نواسے کو نہایت آرام سے رکھا اور ناز و نعم سے ان کی پرورش کی۔ مولانا سندھی مرحوم اپنے ماں باپ کی دوسری اولاد تھے۔ ایک ان سے بڑی بہن تھیں جن کا نام جیونی تھا لیکن ماں باپ کے انتقال ہو جانے، تنہا اولاد نرینہ ہونے، نیز چھوٹے ہونے اور بیوہ بیٹی کے دل کا سہارا اور آنکھوں کا چراغ ہونے کی وجہ سے ان کے نانا ان سے بہت محبت کرتے تھے لیکن ان کی عمر پورے چھ سال کی بھی نہ ہوئی تھی کہ نانا کا انتقال ہو گیا۔ اب وہ اپنے دو ماموؤں کے زیر سایہ پرورش پانے لگے۔ ان کے دونوں ماموں جام پور ضلع ڈیرہ غازی خان میں پٹواری تھے۔

تعلیم:

۱۸۷۸ء میں جب کہ مولانا مرحوم کی عمر چھ سال کی تھی ان کی تعلیم کی ابتداء ہوئی اس کے لیے انھیں جام پور کے اردو مڈل اسکول میں داخل کرا دیا گیا۔ اس اسکول میں انھوں نے تقریباً ساتویں جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ ایک سال بعد وہ کسی ہائی اسکول میں جانے والے تھے لیکن قضاو قدر کا فیصلہ ان کے باب میں کچھ اور ہو چکا تھا ان کی فطری سعادت اور نیک بختی نے اسلام کی صداقت کو ان کے قلب سلیم پر آشکارا کر دیا اور ان کے بخت کی فیروز مندی نے انھیں اسلام کی آغوشِ رحمت میں لا ڈالا۔

اسلام کا تعارف:

اسلام سے ان کا قلب سلیم کیوں کر متاثر ہوا؟ اس کی روداد مولانا مرحوم کے الفاظ میں پڑھیے، فرماتے ہیں:

"۱۸۸۴ء میں مجھے اسکول کے ایک آریہ سماج لڑکے کے ہاتھ سے تحفۃ الہند ملی۔ میں اس کے مسلسل مطالعے میں مصروف رہا اور بالتدریج اسلام کی صداقت پر یقین بڑھتا گیا۔ ہمارے قریب کے پرائمری اسکول (کوٹلہ مغلاں) سے چند ہندو دوست بھی مل گئے جو میری طرح تحفۃ الہند کے گرویدہ تھے انھیں کے توسط سے مجھے مولانا اسمٰعیل شہید کی تقویۃ الایمان ملی۔ اس کے مطالعے پر اسلامی توحید اور ہر ایک شرک اچھی طرح سمجھ میں آ گیا۔ اس کے بعد مولوی محمد صاحب لکھوکی کی کتاب احوال الآخرۃ (پنجابی)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک مولوی صاحب سے ملی۔ اب میں نے نماز سیکھ لی اور اپنا نام تحفۃ الہند کے مصنف کے نام پر عبیداللہ خود تجویز کیا۔ احوال الآخرۃ کا بار بار مطالعہ اور تحفۃ الہند کا وہ حصہ جس میں نومسلموں کے حالات لکھے ہیں، یہی دو چیزیں جلد اظہار اسلام کا باعث بنیں ورنہ اصل ارادہ یہ تھا کہ جب کسی ہائی اسکول میں اگلے سال تعلیم کے لیے جاؤں گا تو اس وقت اظہار اسلام کروں گا۔

ہجرت الی اللہ:

ان کتابوں کے بار بار کے مطالعے سے ان کے قلبِ سلیم میں جذباتِ صالحہ و صادقہ کا ایک ایسا فطری جوش پیدا ہو گیا کہ وہ اسلام کے اعلان و اظہار کے لیے کسی خاص وقت کا انتظار نہ کر سکے۔ ۱۵ اگست ۱۸۸۸ء کی مبارک شب کو یہ پندرہ سالہ نومسلم بچہ جس کی روح روزِ ازل سے سعید و مسلم تھی اللہ پر بھروسا کر کے ایک مسلمان بچے عبدالقادر کی رفاقت میں اور عربی مدرسے کے ایک طالب علم کی رہنمائی میں گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

ذہنی کشمکش:

والدہ اور بہن سو رہی تھیں، انھیں سوتا چھوڑا، در و دیوار پر آخری نظر ڈالی، لب خاموش تھے لیکن زبانِ حال گویا تھی۔ اے میری پیاری اور عزیز بہن میرے سینے میں پتھر نہیں اپنے پہلو میں تمھارے لیے ایک محبت بھرا دل رکھتا ہوں، لیکن اللہ کی محبت کا تقاضا ہے کہ میں تم سے کنارہ کشی اختیار کر لوں، اللہ پر ایمان اس کے بغیر کامل نہیں ہو سکتا کہ تم سے زیادہ میں اللہ سے محبت کروں۔ میں نے لیلیٰ صداقت کی شبیہ دل افروز دیکھ لی ہے، میں نے نیکی کا چہرہ دیکھ لیا ہے۔ میں ان کے قرب کا خواہاں ہوں، میں اب ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا لیکن نیکی کی اس ملکہ اور لیلیٰ صداقت کا قرب حاصل نہیں کر سکتا۔ وہ قربانی کی طالب ہے۔ زندگی کی حسین ترین متاع کی قربانی مانگتی ہے میں اپنے عشق میں صادق اور طلب میں سچا ہوں۔ اب میں زیادہ دیر تک اس سے دوری گوارا نہیں کر سکتا۔ میں اس کے ہجر کے صدمے برداشت نہیں کر سکتا۔ مجھے نیکی پکار رہی ہے، صداقت مجھے آواز دے رہی ہے، میری زندگی کی سعادت ابھی تک مجھ سے دور ہے میں جلد سے جلد اس سے ملاقی ہونا چاہتا ہوں۔

سرمایۂ حیات:

میں نے اپنی زندگی کے سرمائے پر نظر ڈالی ہے، آہ! میرا دامن خالی ہے اس میں کوئی ظاہری اور مادی سرمایہ نہیں میرے پاس ماں کی شفقتوں اور بہن کی محبتوں کے سوا کچھ بھی نہیں لیکن یہ تو معنوی اور انسانی دولت ہے! کیا یہ انسانی اور معنوی دولت جو بلاشبہ میرے لیے دنیا کی عزیز ترین متاع ہے، سرمایۂ بے بہا ہے، ای پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زندگی کی خوشیوں کا مدار ہے۔ یہ نیکی کی ملکہ کے حضور میں مقبول ہو گی؟ روح کی ازلی سعادت مسکرائی اور کہا محل وقصور ہے ملکوں اور دولت و سرمایہ داروں کے لیے محلوں اور غزالوں میں آزمایش ہے لیکن اولاد والوں کے لیے ان کے بچوں میں اور بچوں کے لیے آزمایش ان کے ماں باپ اور بہن بھائیوں میں ہے پس تم ماں اور بہن کی محبت و شفقت کو حقیر نہ سمجھو۔ یہ دولت معنوی اور انسانی کیوں ہو؟ یہ زندگی کی زینت ہے ان سے حیات انسانی کی آرایش ہوتی ہے یہ قلب کے لیے سکون اور جان کے لیے راحت کا باعث ہے۔ تم نے سچائی سے عشق کا اظہار کیا ہے کیا تم اس کے لیے یہ قربانی نہیں دے سکتے؟

دعویٰ اور آزمایش

حلمہ نے کہا! کیا اسی جہاں آباد الفت میں لیلیٰ صداقت کے لیے حجلۂ عروسی تیار نہیں کیا جاسکتا؟ روح کی سعادت نے جواب دیا عشق پھولوں کی سیج اور عیش کا بستر نہیں، عشق نام ہے انگاروں پر لوٹنے اور کانٹوں پر دوڑنے کا، عشق مقیم زندگی کا جمود نہیں، عشق عزیت کدۂ دہر میں محبوب کے ہجر و فراق میں تڑپنے اور ہمیشہ تڑپتے رہنے کا نام ہے اگر دنیا میں کسی نے پھولوں کی سیج اور بستر عیش پر مرنے ہی کا نام زندگی رکھ چھوڑا ہے، اگر مقیم زندگی کا جمود ہی کسی کی نظر میں سرمایۂ حیات ہے۔ اگر کوئی انگاروں کو اپنے دامن میں نہیں بھر سکتا ہے کہ دامن جل جانے کا خطرہ ہے، اگر کوئی کانٹوں پر دوڑنے سے اس لیے ڈرتا ہے کہ اس کے تلوے زخمی ہو جائیں گے۔ اگر محبوب کے ہجر و فراق میں تڑپنے اور ہمیشہ تڑپتے رہنے کی لذت سے کسی کا قلب آشنا نہیں، تو کیا ضروری ہے کہ کسی کی محبت کے دعوے سے زبان کو آلودہ کرے۔ اگر پائینچے بھیگ جانے کا خیال ہے تو دریا میں اترا ہی کیوں جائے۔ اگر نہنگوں کا ڈر ہے تو سمندر میں کودنے کا مشورہ کون دے سکتا ہے۔ ممکن ہے پہلے غوطے ہی میں نہنگوں کا سامنا کرنا پڑ جائے اگر زخمی ہونے کا خطرہ دامن گیر ہے تو کس نے کہا ہے کہ میدان کارزار کا رخ کریں؟ لیکن اگر نماز عشق ادا کرنی ہے تو وضو اس کی شرائط میں سے ہے اور وضو کریں گے تو ناممکن ہے کہ آپ کے دامن و آستین پر پانی کے چھینٹے نہ پڑیں اور پائینچے تر نہ ہوں اگر آپ کو موتیوں کی تلاش ہے تو نہنگوں کے ڈر کو دل سے نکالنا پڑے گا۔ اگر آزادیٔ حیات کے طالب ہو اور اپنی طلب میں سچے ہو تو اس کے لیے چہرہ و سینہ بھی زخمی ہوگا اور ممکن ہے کہ تختۂ دار پر اپنی طلب کی سچائی کا ثبوت دینا پڑے۔

نیکی کی مغرور ملکہ:

نیکی کی ملکہ بہت مغرور واقع ہوئی ہے اور اس کی غیرت کبھی گوارا نہیں کر سکتی کہ جو دل اس کی محبت کا مدعی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو اس میں کسی اور کی محبت بھی موجود ہو۔ نیکی کا عشق اور دنیا کی محبت ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتی۔ انسان بیک وقت نور و ظلمت کا آشیانہ نہیں بن سکتا۔ پس اگر تمھیں نیکی سے عشق ہے اور اس کے قرب و وصل کے متمنی ہو تو یہ دل عالم سے نکال دو کہ وہ اس گورِ ظلمت میں تمھیں اپنے قرب کی سعادت اور وصل کی لذت بخشنے کی کیونکر نیکی کبھی جاہلی رسم و روایت کی پابند نہیں ہو سکتی۔ رسم و روایت اس کے حسین چہرہ کے لیے خانہ تہذیب غبار ہے اسے اپنی جاہلی زندگی کی پستیوں میں لانے کی کوشش نہ کرو اس کے لیے تمھیں ایک جہانِ نو کی تلاش کرنی ہے جہاں تم اس کے حسن دل افروز سے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کی راحت حاصل کر سکو گے جہاں تمھیں دائمی و ابدی سکون و راحت کی دولت میسر آئے گی، اس کے بعد تم اپنے دل کی ان تمام کلفتوں کو بھول جاؤ گے

پندرہ سال کا بچہ ——— اور یہ ذہنی کشمکش ——— لیکن اس کی روح سعید و صالح تھی اس کی پرواز بلند سے بلند تر ہوتی گئی اس کے قدم عشق کی منزل پر اٹھ چکے تھے وہ آگے بڑھتا رہا اور رات کے اندھیرے میں بستی سے دور نکل گیا۔ اس کے قلب کے حرم میں محبت اسلام کی شمع فروزاں تھی اور اس کی روشنی منزلِ جاناں کی طرف رہنمائی کر رہی تھی۔ ایک بار پھر اس نے پیچھے مڑ کر آبادی کی طرف دیکھا رات کے اندھیرے میں مکانات کا دھندلا عکس نظر آ رہا تھا دل سے آواز آئی۔ مجھے یہ آبادی اس کی گلیاں، اس کے مکانات، اس کے در و دیوار، اس کے کھیت، اس کے باغات، اس کے سایہ دار درخت بہت عزیز ہیں۔ لیکن اس آبادی میں اسلامی طور طریقے کے مطابق آزادی سے زندگی نہیں گزاری جا سکتی۔ میں اپنی اسلامی زندگی کے طور طریقوں اور اسلامی تعلیمات کی محبت کے خزانے کے ساتھ اس آبادی کے لیے گوارا نہیں بن سکتا۔ اس لیے میں نے اس سے ہجرت گوارا کی ہے۔ اور پھر قدم اٹھتے گئے اور وہ دھندلا عکس بھی نظروں سے چھپ گیا۔

سفر عشق کی پہلی منزل:

ضلع مظفر گڑھ کا قصبہ کوٹلا رحم شاہ سفرِ عشق کی پہلی منزل تھی۔ یہیں ۲۷ اگست ۱۸۸۷ء کو سنت تطہیر ادا ہوئی۔ چند روز بعد معلوم ہوا کہ اعزہ تلاش و تعاقب میں ہیں تو اس قصبے کو خیرباد کہا اور سندھ کی طرف روانہ ہو گئے، عربی مدرسہ کا ایک طالب علم جو اس سفر میں رفیق اور رہنما تھا اس سے راستے میں ہی عربی صرف کی کتابیں پڑھنی شروع کر دیں۔

حضرت سید العارفین:

سید العارفین حضرت حافظ محمد صدیق صاحب علیہ الرحمۃ بھرچونڈی والے کی بزرگی اور فضل و کمال کی شہرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حدود سے سندھ سے گذر کر پنجاب اور ہندوستان کے دوسرے دیار و امصار تک پہنچ چکی تھی حضرت مولانا عبید اللہ سندھی علیہ الرحمۃ کے بخت کی فیروزمندی نے انھیں حضرت سید العارفین کی خدمت بابرکت میں پہنچایا۔ حضرت سید العارفین کی ذات گرامی مرجع خلائق بنی ہوئی تھی۔ وہ ایک چشمۂ فیض تھا جس سے تشنہ کامان علوم و معارفِ اسلامیہ سیراب ہو رہے تھے۔ آپ کی ذات مجموعۂ صفات تھی۔ آپ کی بزرگی کے اعتراف میں بلا امتیاز مذہب و ملت تمام اہلِ سندھ متفق اللسان تھے۔ آپ کو اس عہد کا جنید بغدادی، بایزید بسطامی اور شبلیِ دوراں سمجھا جاتا تھا۔ مولانا سندھی نے حضرت کی صحبت سے بہت فیض اٹھایا۔ یہ آپ ہی کا فیضان تھا کہ چند روز میں مولانا سندھی مرحوم نے اخلاق و سیرت اسلامی کی وہ تمام خوبیاں پالیں جو عام طور پر برسہا برس کی تعلیم و تربیت کے بعد حاصل ہوتی ہیں۔ اور بعض اوقات تو برسوں کی محنت اور کوشش کے بعد بھی سیرت و اخلاق میں خوبیوں کی کوئی جھلک نظر نہیں آتی۔ خود مولانا سندھی مرحوم نے اعتراف کیا ہے کہ

"آپ کی صحبت کا چند ماہ کے اندر یہ اثر ہوا کہ اسلامی معاشرت میرے لیے طبیعت ثانیہ بن گئی جس طرح ایک پیدائشی مسلمان کی ہوتی ہے"

آپ کی زبان سے جو بات نکلتی تھی دل پر اثر کرتی تھی ایک مرتبہ آپ نے اپنے مریدین و مسترشدین کو مخاطب کر کے فرمایا:

"عبید اللہ نے اللہ کے لیے اپنے گھر اور ماں باپ کو چھوڑا ہے اور ہم کو اپنا ماں باپ بنایا ہے"۔

آپ کی زبان سے یہ کلمہ کیا نکلا کہ مولانا سندھی ان کے تمام مریدین و مسترشدین کی شفقتوں، محبتوں اور ہمدردیوں کا مرکز بن گئے لوگوں نے ان کے لیے اپنے دلوں کے دروازے کھول دیے، آنکھوں میں جگہ دی۔ ان کے سر پر قدر و منزلت کا تاج رکھا۔ آپ کے فیضانِ خلق و کلام کا اثر وقتی نہ تھا۔ دائمی اور ابدی تھا۔ آپ کی ولایت کے لیے صرف ایک یہ کرامت کفایت کرتی ہے کہ وہ مسافر فی سبیل اللہ جس کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی آخری سرزمین سندھ ہوگی۔ وہ ہمیشہ کے لیے سندھ کا ہو کر رہ گیا ہے کہ آج سندھ کی تہذیبی و ثقافتی اور علمی تاریخ اس مسافر و مہاجر الی اللہ کے تذکرے کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ حضرت سید العارفین کے فیضانِ خلق و کلام کا اثر از خود حضرت سندھی مرحوم نے بھی اپنے دل میں محسوس کیا فرماتے ہیں:

"اس کلمۂ مبارکہ کی تاثیر خاص طور پر میرے دل میں محفوظ ہے۔ میں انھیں اپنا دینی باپ سمجھتا ہوں اور محض اس لیے سندھ کو اپنا مستقل وطن بنایا"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک سبق:

مولانا سندھی مرحوم کی زندگی کے اس پہلو میں ہمارے لیے بڑی بصیرت اور سبق ہے ان کے لیے اس سر زمین میں کیا تھا جو ملک کے کسی دوسرے خطے میں میسر نہ آسکتا تھا۔ جب انھوں نے اپنا آبائی گھر چھوڑ دیا تو انھیں کسی جگہ کے مسکن سے کیا الفت ہوسکتی تھی۔ وہ ملک کے جس حصے میں نکل جاتے اور جس قریہ و مصر میں ایک سائبان بنا کر بیٹھ جاتے وہی ان کا وطن بن جاتا۔ وہ اپنے علم و فضل کی پونجی لے کر جدھر بھی نکلتے عقیدت کیشوں اور نیاز مندوں کا ایک ہجوم ان کے استقبال و پذیرائی کے لیے موجود ہوتا۔ وہ اپنی فکر و نظر کی دکان جہاں بھی لگاتے فکر و نظر کے طالب پروانوں کی طرح اس شمع پر اپنی جان نچھاور کرتے۔ لیکن اس وفا سرشت نے جب ایک مرتبہ اپنا ہاتھ ایک مربی کے ہاتھ میں دے دیا تو پھر چھڑانا گوارا نہ کیا۔ جس کے سایۂ عاطفت میں انھوں نے زندگی کے چند ماہ گزارے تھے۔ اس کی چوکھٹ سے ترک تعلق کا خیال بھی زندگی بھر ان کے دل میں نہ آیا جس محسن نے ان کی غربت و مسافرت کے ایام میں ان کے لیے ایک جائے سکون مہیا کی تھی اور اپنی مربیانہ شفقتوں اور محبتوں سے نوازا تھا ان کی احسان مند طبیعت نے اس محسن کی ذات سے، اس کی اولاد سے، اس کے خلفا سے، اس کے مریدین و مسترشدین سے بلکہ اس کے سنگ آستاں سے، اس کے قریہ و شہر سے اور اس کے صوبے سے محبت و تعلق کو اپنا وظیفۂ حیات سمجھ لیا تھا زندگی بھر اس خانوادے سے نسبت اور اپنے سندھی ہونے پر فخر کرتے رہے۔ پھر یہ فخر محض زبانی نہ تھا اپنے عمل اور دینی زندگی کے طور طریقوں سے اس کا ثبوت دیا۔ انھوں نے سندھی معاشرت کو اپنایا، مقامی زندگی کے طور طریقوں کو اپنایا، یہاں کی وضع و لباس سے محبت کی، سندھی زبان کو بہ شوق و ذوق سیکھا اور اس وقت جب کہ وہ تعلیم سے فراغت پا چکے تھے۔ وہ ملک کے کسی حصے میں نکل جاتے اور اسے اپنا وطن بنا لیتے تو آج سندھ میں کوئی شخص ان کو بے وفائی کا طعنہ نہیں دے سکتا تھا لیکن وہ وفا سرشت تعلیم ختم کرتے ہی سندھ کی طرف لوٹا اور اسی آستانۂ قدسی پر اپنی عقیدتوں کا نذرانہ پیش کیا اگرچہ ان کا میدانِ عمل ہندوستان کے مشرقی اضلاع سے لے کر وسطِ ہند، ممالکِ متحدہ اور شمال مغربی سرحدی صوبے تک پھیلا ہوا تھا۔ لیکن سرزمینِ ہند کے اس خطے کو اور وادیٔ مہران اور اس کے باسیوں کو اپنی تعلیم و تربیت اور رشد و ہدایت کا خاص موضوع بنایا۔ سندھ ان کا سب سے بڑا میدانِ عمل رہا ہے انھوں نے سندھ کی تعمیر و ترقی میں حصہ لیا۔ یہاں انھوں نے تحریک آزادی کو پروان چڑھایا۔ کاروانِ حریت کو منظم کیا اور جادۂ استقلال پر روانہ کیا۔ وہ پورے ہندوستان میں سندھ کے اسلامی مزاج، سندھ کی تہذیب اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سندھ کی معاشرت کے ترجمان اور نمائندہ تھے انھوں نے سندھ میں علوم اور معارف اسلامیہ سے لگن اور دلچسپی پیدا کی، سندھ میں تعلیم کو فروغ دیا اور جہالت دور کرنے کی تحریک میں حصہ لیا۔ انھوں نے سندھی زبان کو اپنے انقلابی افکار اور اسلامی تحقیقات سے مالامال کردیا۔ انھوں نے سندھی زبان میں اسلامی علوم میں تحقیق و مطالعے کے مراکز قائم کیے اور سندھ کو اپنی سیاسی تحریک اور اپنے افکار و تجربات سیاسی کا مرکز قرار دیا اور آخر تک ان کی خواہش تھی کہ سندھ کو ان کے افکار سیاسی کی تجربہ گاہ بنایا جائے۔ سندھ ان کا وطن مادری نہ تھا بلکہ بنایا ہوا وطن تھا لیکن جب انھوں نے ایک مرتبہ اسے اپنا وطن زبان سے کہہ دیا اور ذہن نے اسے قبول کرلیا تو پھر اس بات کو کبھی فراموش نہ کیا بلکہ سندھ ان کا وطن ہے اور اس کے ان پر حقوق ہیں۔ وہ تقریباً پچیس سال ملک سے باہر رہے اور جلاوطنی کی زندگی گزاری لیکن وہ جہاں بھی رہے سندھ سے ان کا رشتہ ہمیشہ برقرار رہا۔ سندھ سے ان کا تعلق ایسا ہی تھا جیسا کہ اسلام سے تھا۔ انھیں ان دونوں نسبتوں میں کوئی تضاد نظر نہ آیا۔

عزم دیوبند:

بھرچونڈی شریف اس سفر میں راستے کی ایک منزل تھی۔ اس موقع پر تین چار ماہ قیام رہا۔ اس مختصر مدت میں حضرت سیدالعارفین نے ان پر جو رنگ چڑھایا اس کی چمک اور رنگینی تمام عمر ان کی زندگی میں باقی رہی اور حضرت کے چڑھائے ہوئے رنگ کے سوا اور کوئی اور رنگ ان کی طبیعت نے کبھی اور کہیں قبول نہیں کیا۔

بہرحال یہ راہ عشق کی ایک منزل تھی اور ابھی عشق کے امتحان باقی تھے۔ اگرچہ سایہ گھنا تھا، درخت پھل دار تھا لیکن عشق کا تقاضا تھا کہ کمر کھولنے سے پہلے اٹھیے اور آگے بڑھیے۔ پس مولانا سندھی نے یہاں دم لیا، ستانے آگے کے سفر کے لیے رہنمائی حاصل کی اور نکل کھڑے ہوئے۔ حضرت سیدالعارفین حافظ محمد صدیق علیہ الرحمۃ نے دعا فرمائی "خدا کرے عبیداللہ کا کسی وسیع عالم سے پالا پڑے"۔

مولانا فرماتے ہیں:

"میرے خیال میں خدا نے یہ دعا قبول فرمائی اور اللہ رب العزت نے محض اپنے فضل سے مجھے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی خدمت میں پہنچا دیا"۔

بھرچونڈی شریف سے نکل کر مولانا سندھی نے ایک مدت تک ریاست بہاول پور کی مختلف دیہاتی مساجد کے مدارس میں عربی کی ابتدائی کتابوں کی تحصیل کی۔ اسی نقل و حرکت میں مولانا دین پور پہنچے جہاں حضرت سیدالعارفین کے خلیفہ مولانا ابوالسراج غلام محمد قیام فرماتے تھے۔ یہیں انھوں نے مولوی عبدالقادر مرحوم سے ہدایۃ النحو پڑھی جن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۸۸۸ء میں کوٹلہ دم شاہ چلے گئے۔ یہاں مولوی خدابخش سے کافیہ پڑھا اور چند ماہ کے بعد دیوبند روانہ ہوگئے۔ اکتوبر ۱۸۸۸ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہو گئے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن علیہ الرحمہ رونق افروز مسند حدیث تھے۔ ابتدائی کتابیں مختلف اساتذہ سے پڑھیں۔ کچھ دنوں کے لیے کانپور چلے گئے جہاں مولانا احمد حسن کانپوری کے مدرسے میں زیر تعلیم رہے۔ چند ماہ مدرسہ عالیہ رام پور میں مولوی ناظر الدین سے بعض کتابیں پڑھیں ستمبر ۱۸۸۹ء میں مراجعت فرمائے دیوبند ہوئے۔ ابتداء میں چند ماہ مولانا حافظ احمد مرحوم سے پڑھتے رہے پھر حضرت شیخ الہند کے درس حدیث میں شریک ہو گئے۔ امتحان میں امتیازی نمبروں سے کامیابی حاصل کی۔ مولانا سید احمد صاحب دہلوی مدرس اول نے مولانا کے جوابات کی بہت تعریف کی اور فرمایا:

"اگر اس کو کتابیں ملیں تو شاہ عبدالعزیز ثانی ہوگا"۔

اسی موقع پر خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ اسی زمانے میں مولانا سندھی نے اصول فقہ میں ایک رسالہ تصنیف فرمایا اس میں بعض مسائل میں انھوں نے جمہور اہل علم کے بخلاف علمائے محققین کی رائے کو ترجیح دی تھی۔ اس سلسلے میں ایک بحث آیاتِ متشابہات کے متعلق تھی۔ مولانا سندھی کے خیال میں آیات متشابہات کی تاویل ناممکن الحصول نہیں اور راسخین فی العلم ان کی تاویل سے واقف ہوسکتے ہیں۔

گنگوہ اور دہلی کا سفر:

اس سے اگلے سال یعنی مئی، جون ۱۸۹۰ء سے تفسیر بیضاوی اور دورۂ حدیث میں شریک ہوئے۔ جامع ترمذی حضرت شیخ الہندؒ سے پڑھی اور سنن ابوداؤد کے لیے کچھ مدت کے لیے گنگوہ تشریف لے گئے اور مولانا رشید احمد سے سنن ابوداؤد پڑھی۔ گنگوہ سے دہلی تشریف لے گئے اور مولوی عبدالکریم پنجابی دیوبندی سے جو حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم دیوبندی اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہما اللہ کے ایک غیر معروف محقق شاگرد تھے۔ حدیث کی باقی کتابیں مثلاً نسائی، سنن ابنِ ماجہ وغیرہ اور سراجی پڑھی۔ اسی اثنا میں صحیح بخاری اور جامع ترمذی کے دو سبق شیخ الکل مولانا میاں نذیر حسین محدث دہلوی سے بھی پڑھے۔ ۱۸۹۰ء کے آخر تک وہ درس نظامیہ کی تکمیل کر چکے تھے۔

مراجعت بھرچونڈی:

جنوری ۱۸۹۱ء میں مولانا سندھی مرحوم بھرچونڈی شریف (ضلع سکھر) واپس تشریف لے آئے۔ حضرت سید العارفین مولانا کے پہنچنے سے ٹھیک دس روز پہلے اس جہانِ فانی سے رحلت فرما چکے تھے۔ فراغت پر حضرت شیخ الہندؒ نے اجازت نامہ تحریر فرما کر بھیج دیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت تاج محمود کی سرپرستی:

کچھ دنوں کے بعد مولانا بھرچونڈی سے امروٹ چلے گئے۔ امروٹ بھی ضلع سکھر کا دوسرا مشہور قصبہ ہے۔ جہاں حضرت سید العارفین کے دوسرے خلیفہ مولانا ابوالحسن تاج محمود صاحب رونق افروز سجادہ اور صاحب دستار خلافت اور مجاز بیعت و ارشاد تھے حضرت سید العارفین کے انتقال کے بعد اب وہی مولانا کے لیے بمنزلہ باپ کے تھے۔ مولاناؒ نے نہایت سعادت مندی کے ساتھ ان کے حضور اپنا سر نیاز جھکا دیا اور حضرت تاج محمود علیہ الرحمہ نے بھی اپنا حق ادا کر دیا اور مولانا کو کبھی احساس نہ ہونے دیا کہ وہ ایک بے یار و مددگار نو مسلم نوجوان ہیں۔

مولانا کی شادی:

حضرت مولانا تاج محمود نے سکھر کے اسلامیہ اسکول کے ایک استاد مولوی محمد عظیم خان یوسف زئی کی صاحبزادی سے مولانا کی شادی کرائی۔ ان کے رہنے کو مکان، آرام و آسایش کے لیے گھر گرہستی کی تمام چیزیں اور سب سے بڑھ کر ان کے ذوقِ مطالعہ کی تسکین اور تصنیف و تالیف کے لیے ایک بہت بڑا کتب خانہ جیا کر دیا جہاں مولانا ۱۸۹۷ - ۹۸ء تک نہایت اطمینان و سکون کے ساتھ درس و مطالعہ میں مصروف رہے۔

یہاں مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم کی زندگی کا پہلا دور مکمل ہو جاتا ہے۔

اعلان خصوصی نمبر

قارئین الولی کو یہ معلوم ہو کر خوشی ہوگی کہ الولی کا آئندہ شمارہ سردار محمد امین خان کھوسو عبید اللّٰہی کی شخصیت، سیرت اور ان کی سیاسی خدمات کے تذکرے میں مضامین نثر و نظم پر مشتمل ہوگا۔ اس میں ان کے بعض نادر خطوط اور نادر تحریر بھی شامل ہوگی۔ اس نمبر کے لکھنے والوں میں، مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی، مولانا اللہ ڈیہ بروہی، جناب علی نواز وفائی ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری وغیرہم شامل ہیں۔ اس خصوصی نمبر کی ترتیب و تدوین میں ہمارے ساتھ "مولانا عبید اللہ سندھی اکیڈمی کراچی" نے تعاون کیا ہے۔

(ادارہ)

© rasailojaraid.com